کیا مہاجرین مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟

ڈاکٹر محمد یسین مظہر صدیقی

مکہ کے مہاجرین اولین کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ وہ بوقت ہجرت مکہ سے مدینہ خالی ہاتھ آئے تھے۔ اس کا اظہار ہمارے تمام ثانوی مآخذ میں یا تو بصراحت ہوا ہے یا مضمر طور سے۔ مولانا شبلی نعمانی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب سیرۃ النبی میں خاص طور سے وضاحت کی ہے کہ "مہاجرین مکہ معظمہ سے بالکل بے سروسامان آئے تھے۔ گوان میں دولت مند اور خوش حال بھی تھے لیکن کافروں سے چھپ کر نکلے تھے اس لئے کچھ ساتھ نہ لا سکے"۔[1] اس خیال کا جو لازمی نتیجہ مولانا موصوف نے نکالا وہ یہ ہے کہ "اگرچہ مہاجرین کے لئے انصار کا گھر مہمان خانۂ عام تھا تاہم ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی۔ مہاجرین نذر اور خیرات پر بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ دست و بازو سے کام لینے کے خوگر تھے تاہم چونکہ بالکل تہی دست تھے اور ایک حبہ تک پاس نہ تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ انصار اور ان میں رشتۂ اخوت قائم کر دیا جائے..... یہ نقطۂ نظر ایک فرد واحد کا نہیں ہے بلکہ اس کو ہم مسلم مشرقی رجحان یا نقطۂ نگاہ قرار دے سکتے ہیں کیونکہ تمام جدید مسلم مورخین اور سیرت نگاروں نے کم و بیش یہی نقطۂ نظر اپنایا ہے[2] اس رجحان یا انداز فکر کا ناگزیر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اولاً

---

[1] شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، اعظم گڑھ ۱۹۷۶ء اول ص ۲۸۴

[2] مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے: قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، امرتسر ۱۹۲۳ء اول

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

تمام مہاجرین مکہ خالی ہاتھ اور بے سروسامان آئے تھے۔ ثانیاً مدینہ میں ان کا اپنے قیام و طعام کے لئے کلی طور پر انصار کی فیاضی اور مدارات پر انحصار تھا۔ ثالثاً مہاجرین کی مادی ضروریات کی فراہمی کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات یا رشتۂ اخوت کا طریقہ اختیار کیا جس کے تحت ایک مہاجر اور ایک انصاری ایسے دینی بھائی قرار پائے جو خون کے سگے بھائی سے بڑھ کر تھے اور جو ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے تھے اور ہوتے تھے۔ رابعاً اصول مواخاۃ کے نتیجہ میں تمام مہاجرین اپنے انصاری بھائیوں کی املاک ۔ مکانات، باغات، کھیت وغیرہ ۔ کے برابر کے حق دار ہو گئے مگر "جنگ بدر کے بعد جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو.... یہ قاعدہ جاتا رہا ہے۔" اگرچہ مسلم مورخین نے اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا ہے کہ مہاجرین کی اکثریت نے اپنے پرانے پیشے ۔ تجارت ۔ کے ذریعہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش آغاز ہجرت سے ہی کر دی تھی تاہم وہ زیادہ تر انصار کے ایثار و سخاوت کے مرہون منت تھے۔

جدید مسلم نقطۂ نگاہ کے متوازی مغربی مصنفین کا زاویہ نظر چلتا ہے۔ ان کے نزدیک تاریخی ترتیب واقعات یوں ہے کہ چونکہ مہاجرین مکہ کافی بڑی یا معتدبہ تعداد میں مدینہ کی چھوٹی سی آبادی میں آبسے تھے اس لئے وہ مدینہ کی پہلی سے دگرگوں معیشت پر بوجھ بن کر اقتصادی ابتری کا سبب بن گئے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس اہم مسئلے کا واحد حل یہ تھا کہ وہ عربوں کی دیرینہ روایت غارتگری کو اپناتے۔ یہاں مستشرقین کے دو گروہ ہو جاتے ہیں۔ ایک گروہ کا، جو ابتدائی مستشرقین پر مشتمل ہے، خیال ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی آپ نے یہ متبادل سوچ رکھا تھا[۵] جب کہ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ ہجرت

ص ۸۰، ص ۹۰، ص ۱۰۷ وغیرہ۔ نعیم صدیقی، محسن انسانیت، دہلی ۱۹۷۵ء ص ۲۵۲، عبدالصمد رحمانی، پیغمبر عالم دہلی ۱۹۶۱ء ص ۲۱۵ وغیرہ، عمر ابوالنصر نبی امی، اردو ترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی، لاہور ۱۹۵۵ء ص ۱۲۰-۱۲۸؛ قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی، سیرت طیبہ، میرٹھ ۱۹۶۷ء ص ۱۶۶ اور ص ۹۷-۱۹۶۔

[۵] لیون کیتانی (LEON CAETANI) 'ANNALLIDELL ISLAM

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

کے بعد آپ نے کاروانِ قریش پر غارتگری کرکے اپنے مفلس مہاجرین کی مادی ضروریات کو پورا کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور پھر اس پر عمل بھی کیا تھا۔[۴] ابتدائی مہمات نبوی کے اقتصادی پہلوؤں[۵] اور عہد نبوی کی مسلم معیشت میں اموال غنیمت کے تناسب[۶] کا جائزہ اس سے پہلے لیا جا چکا ہے۔ ان دونوں مطالعوں سے یہ بخوبی واضح و ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائی مہمات میں خاص کر اور بعد کے غزوات و سرایا میں عام طور سے اقتصادی محرکات تھے ہی نہیں سوائے غزوہ بدر کے جہاں تک اموال غنیمت کے مسلمانوں کی اقتصادی بہتری میں حصہ کا تعلق ہے تو وہ بہت ہی معمولی تھا۔ عہد نبوی کی اقتصادیات کے مطالعہ کے ضمن میں دو اہم مسئلے ابھی تک تشنۂ بحث ہیں۔ ایک یہ کہ کیا تمام مہاجرین مکہ نادار و خالی ہاتھ آئے تھے جیسا کہ مشہور و مقبول خیال ہے۔ دوسرے یہ کہ مسلمان مہاجرین نے

کارل بروکلمن HISTORY OF THE ISLAMIC PEOPLES، لندن ۱۹۷۹ء صفحہ ۲۵، ۲۳، فلپ ہٹی ISLAM : A WAY OF LIFE لندن ۱۹۷۰ء صفحہ ۱۸-۱۵، ای رایسٹن پائک MUHAMMAD (E. ROYOSTON PIKE) لندن ۱۹۶۸ء صفحہ ۱۶ اور متعدد دوسرے جیسے مارگولیتھ، ولیم میور وغیرہ۔

[۴] فرانسسکو جبریلی MUHAMMAD & THE CONQUEST OF ISLAM لندن ۱۹۶۸ء صفحہ ۶۸-۶۷، مونٹگمری واٹ، MUHAMMAD AT MEDINA آکسفورڈ ۱۹۶۸ء، صفحہ ۲۰۹، گرونی بام CLASSICAL ISLAM، لندن ۱۹۷۰ء صفحہ ۳۵، اور متعدد دوسرے

[۵] ابتدائی مہمات نبوی پر بحث کے لئے ملاحظہ کیجئے خاکسار کا مضمون "عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں: محرکات، مسائل اور مقاصد" برہان دہلی، ماہ دسمبر ۱۹۸۲ء صفحہ ۴۴-۳۴، ماہ جنوری ۱۹۸۳ء صفحہ ۳۶-۲۳ اور آئندہ شمارے۔

[۶] ملاحظہ کیجئے اس موضوع پر خاکسار کا مضمون، تحقیقات اسلامی، سہ ماہی علی گڑھ، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۲ء صفحہ ۳۴-۱۰

اپنی اقتصادی بہتری کے لئے مدینہ میں کیا عملی قدم اٹھائے تھے؟ موجودہ مطالعہ کو ہم پہلے مسئلہ پر بحث وگفتگو تک محدود رکھ رہے ہیں کہ یہی نقطۂ آغاز ہے۔

یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ مہاجرین مکہ میں سے متعدد بلکہ اکثر دولت مند اور خوش حال تھے اور ان کی یہ خوش حالی یا کم از کم اقتصادی لحاظ سے اچھی حالت ان کی مقامی یا بین الاقوامی تجارت میں شمولیت کی بنا پر تھی۔ اس بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ قریش کے مختلف خاندانوں سے متعلق سربرآوردہ اور نسبتاً سن رسیدہ مکی مسلمان اور ان کے حلفاء اور موالی کافی مالدار یا کم از کم خوش حال تھے۔ بدقسمتی سے ہمارے قدیم اور ابتدائی مورخین وسیرت نگاروں نے مہاجرین کی کوئی مکمل فہرست نہیں دی ہے۔ تاہم مواخات، طبقاتِ مہاجرین اور فہرست غازیانِ بدر میں جو نام گنائے گئے ہیں ان سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اکثر مسلم مہاجرین کا تعلق اول درجہ کے مالداروں میں سے نہ سہی دوسرے یا تیسرے درجہ کے مالداروں میں سے ضرور تھا۔ مسلمانوں میں جو حضرات صحابہ متمول سمجھے جاتے تھے ان میں حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذو النورین، زبیر بن عوام، طلحہ بن عبید اللہ، عبد الرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، حاطب بن ابی بلتعہ، ارقم بن ارقم، عثمان بن مظعون اور متعدد دوسرے ممتاز وفائق تھے۔[۵] ان میں سے بیشتر ایسے تھے جو اپنی دولتمندی کے سبب مکی اشرافیہ واشراف کی نگاہوں کا مرکز تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق جب ایمان

---

[۵] ان صحابہ کرام کی دولتمندی قبل از ہجرت کے لئے دیکھئے: ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت ۱۹۵۷ء، سوم ص۶۰، ص۱۱۴-۱۵، ص۱۲۵-۲۶، ص۱۷۲-۳، ص۲۱۵، ص۲۴۲-۴۳، ص۲۷۲ وغیرہ، بلاذری، انساب الاشراف، قاہرہ ۱۹۵۹ء اول ص۲۷، ص۲۶۱ وغیرہ۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، سیرت رسول اللہؐ، انگریزی ترجمہ از الفریڈ گلیوم، لندن ۱۹۵۵ء ص۱۷-۲۱۶، ص۲۲۳ وغیرہ۔ نیز ملاحظہ کیجئے: مارگولیتھ MUHAMMAD & THE RISE OF ISLAM لندن ۱۹۰۵ء، ص۹۶، ص۹۹-۱۰۰، ص۱۰۱ وغیرہ، شبلی نعمانی، مذکورہ بالا، دوم ص۱۹۱ وغیرہ

لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم کی خطیر رقم نقد موجود تھی[۵۸]۔ اور ظاہر ہے کہ مال تجارت اسباب و املاک اس کے علاوہ تھے، بلکہ ایک روایت کے مطابق تو ان کے پاس ایک ملین (دس لاکھ) درہم کی رقم نقد موجود تھی[۵۹]۔ مکہ میں عام مسلمانوں کی اعانت اور غریب مسلمانوں کی کفالت پر ہزارہا درہم خرچ کر دیئے تاہم جب انھوں نے ہجرت کی تو پانچ چھ ہزار درہم نقد ساتھ تھے۔ ایک روایت کے مطابق وہ یہ ساری رقم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات کے لئے بچا کر رکھتے گئے تھے اور بوقت ہجرت مدینہ لے کر آئے تھے[۶۰]۔ اسی رقم سے انھوں نے ہجرت کے دوران سفر کے اخراجات[۶۱] کے علاوہ بعد ہجرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خاندان میں سے بعض کے سفر کے اخراجات دئے تھے[۶۲]

---

۵۸ ابن سعد، سوم ص۱۷۲، بلاذری، انساب، اول ص۲۶۹

۵۹ الف بار، اول ص۳۱۹، بحوالہ مارگولیتھ، مذکورہ بالا ص۱۲

۶۰ ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ ص۲۲۵ میں پانچ چھ ہزار درہم ہے جب کہ ابن سعد، سوم ص۱۷۲ نے پانچ ہزار درہم اور بلاذری، انساب، اول ص۲۶۰ نے پانچ یا چار ہزار درہم بتائی ہے ان مختلف روایات سے یہ قیاس بھی کیا جا سکتا ہے کہ بوقت ہجرت حضرت ابو بکر صدیق کے پاس اس سے زیادہ بھی رقم رہی ہوگی۔

۶۱ ابن اسحاق، مذکورہ بالا، ص۲۲۳۔ بخاری، الصحیح، باب الہجرۃ، نیز شبلی، اول ص۲۷

۶۲ بلاذری، انساب، اول ص۲۶۹ کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو موالی حضرات زید بن حارثہ اور ابو رافع کو اپنی دو دختران نیک اختر حضرات فاطمہ اور ام کلثوم اور زوجہ محترمہ حضرت سودہ کو مکہ سے مدینہ لانے کے لئے بھیجا تھا اور اس مقصد سے حضرت ابو بکر صدیق سے پانچ سو درہم لئے تھے اور ان سے دو اونٹ بھی مستعار یا قرض خریدے تھے، نیز ملاحظہ ہو شبلی، اول ص۲۸ جنھوں نے یہ واقعہ تو لکھا ہے لیکن یہ تحریر نہیں فرمایا کہ آپ نے یہ رقم کس سے لی تھی۔

اور مدینہ میں مسلمانوں کے لئے کچھ زمین بھی خریدی تھی[13] اسی طرح حضرت عثمان غنی بلاذری کے مطابق اپنے خطیر اموال میں سے کم از کم سات ہزار درہم مدینہ ساتھ لائے تھے جب کہ باقی مال انھوں نے بھی مسلمان غلاموں کو آزاد کرانے اور اعانتِ اسلام میں خرچ کر دیا تھا۔[14]

ابن اسحاق نے حضرت عمر فاروقؓ کی ہجرت کا واقعہ بڑے دل چسپ انداز میں بیان کیا اور اسی کے ضمن میں ان کی دولتمندی کا ذکر کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی ساری دولت مدینہ لانے میں کامیاب رہے تھے۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرات عمر فاروق، عیاش بن ربیعہ مخزومی اور ہشام بن عاص بن وائل سہمی نے فیصلہ کیا کہ وہ ساتھ ہجرت کریں گے اور مقررہ وقت پر ایک خاص جگہ ملنے کا وعدہ کیا اور یہ بھی طے کر لیا کہ اگر کوئی شخص وقت مقررہ پر مقام موعود پر نہ پہونچا تو یہ سمجھ لیا جائے گا کہ اسے دشمنوں نے روک لیا ہے اور باقی لوگ روانہ ہو جائیں گے۔ حضرت ہشام سہمی کو ان کے گھر والوں نے ہجرت نہ کرنے دی اور باقی دونوں حضرات (دوسرے ہم سفروں کے ساتھ) اپنے سفر ہجرت پر روانہ ہوئے اور قبا میں آکر دم لیا۔ ابوجہل اور حارث بن ہشام مخزومی نے ان کا پیچھا کیا اور قبا میں ان کو آلیا۔ چونکہ وہ زور زبردستی نہیں کر سکتے تھے اس لئے انھوں نے مکر سے کام لیا اور حضرت عیاش کو ان کے غم میں ان کی ماں کی بیماری اور کھانا پینا وغیرہ ترک کر دینے کی قسم وغیرہ کا ذکر کرکے واپس مکہ چلنے پر راضی کر لیا۔ حضرت عمر نے ان کو بہتیرا سمجھایا کہ یہ مکر و فریب ہے لیکن وہ اپنی سادہ لوحی اور ماں کی محبت کے سبب نہ مانے۔ مزید ان کو یہ خیال تھا کہ وہ مکہ میں اپنا کافی مال چھوڑ آئے ہیں اسے بھی لے آئیں گے۔ حضرت عمر نے اس پر ان سے کہا کہ وہ اس وقت قریش کے ایک مالدار ترین شخص ہیں[15] اور اگر وہ مکہ جانے

---

[13] ابن سعد، سوم صـ 172-171، مارگولیتھ، صـ 22۔ ملاحظہ ہو شبلی، اول صـ 280 جن کا خیال ہے کہ مسجد نبوی کی جگہ کی قیمت حضرت ابو ایوب انصاری نے ادا کی تھی۔ [14] بلاذری، انساب، اول صـ 261

[15] ابن اسحاق، صـ 217-216 مگر ابن سعد نے، سوم صـ 272-271 میں حضرت عمر کی ہجرت کا یہ واقعہ تو بیان
بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

کی ضد سے باز آجائیں تو وہ ان کو اپنا آدھا مال دے دیں گے۔ لیکن حضرت عیاش نے اپنے دولتمند قریشی مہاجر بھائی کی پیش کش قبول نہ کی اور واپس مکہ چلے گئے اور دشمنوں کی قید بلا میں گھر گئے۔ اگرچہ اس روایت میں حضرت عمر کی دولت کا کچھ پتکا اندازہ نہیں ملتا تاہم یہ مسلم ہے کہ وہ کافی خطیر رقم اپنے ساتھ مدینہ لائے تھے۔

بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے ذرا پہلے تجارت کی غرض سے شام گئے ہوئے تھے اور واپسی پر انھوں نے رسول اکرمؐ اور آپ کے محترم ساتھی حضرت ابوبکرؓ کو جو ہجرت کر رہے تھے سفید کپڑے بطور تحفہ پیش کئے تھے[۱۶] اسی طرح ابن سعد کے مطابق حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی بھی شام سے واپس آتے ہوئے سفر ہجرت کے دوران رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تھے اور آپ کو تحفہ پیش کئے تھے اور خود مکہ چلے گئے تھے اور وہاں اپنی ضروریات اور فرائض پورے کرکے مدینہ کو ہجرت کی تھی[۱۷] ان دونوں واقعات میں اگرچہ ان دونوں بزرگ صحابیوں کی دولتمندی اور اپنی دولت کے کل یا جز کو مدینہ لانے کا ذکر نہیں ملتا تاہم یہ بلا خوف وخطر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی کل دولت یا کم از کم اس کا بیشتر حصہ اپنے ساتھ مدینہ لائے تھے۔ حضرت سعد بن وقاصؓ اور ان کے برادر خورد عمیر نے ہجرت کے بعد مدینہ میں کسی انصاری

کیا ہے لیکن ان کی دولتمندی یا حضرت عیاش مخزومی کو اپنے آدھے مال کی پیشکش کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اسی طرح قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اول ص۸۶-۸۷ کے تحت یہ واقعہ بیان کیا ہے لیکن دولت فاروقی کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے ابن سعد کی روایت پر تکیہ کیا ہے جب کہ شبلی نعمانی نے ہجرت کے باب میں اس واقعہ اور اس سے متعلق دولتمندی فاروق کا سرے سے ذکر نہیں کیا ہے۔

[۱۶] بخاری، الصحیح، باب ہجرۃ النبی، نیز ملاحظہ کیجئے: شبلی نعمانی، اول ص۲۷۲ اور قاضی محمد سلیمان منصور پوری، اول ص۱۰۱۔

[۱۷] ابن سعد، سوم ص۱۷۳ اور ص۲۱۵۔ نیز دیکھئے: بلاذری، انساب، اول ص۲۷

کا مہمان بننے کے بجائے اپنے حقیقی بھائی عتبہ کے گھر میں قیام کیا تھا[۱۸] اور بظاہر وہ بھی اپنی دولت پوری کی پوری ساتھ مدینہ لے کر آئے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری اپنے وقت کے مالدار ترین آدمی تھے اور ان کی یہ مالداری اسلام کے بعد تجارت کی مرہون منت تو تھی ہی لیکن وہ کسی طور ہجرت سے قبل مفلس یا کم حیثیت شخص نہ تھے۔ ہماری روایات میں عموماً یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ وہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے اور محض اپنی اقتصادی و کاروباری سوجھ بوجھ اور مہارت کی بنا پر انھوں نے صرف اپنی روٹی روزی کمائی بلکہ چند ہی دنوں میں اتنا سرمایہ جمع کر لیا کہ شادی کر لی اور کافی دولت جمع کر لی۔ اس غلط فہمی کا شکار ہمارے تمام جدید مورخین و سیرت نگار مسلم و غیر مسلم دونوں ہوئے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہجرت سے قبل حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مکہ کے ممتاز نوجوان تاجروں میں تھے۔ ابن حجر کے مطابق وہ رباح نامی ایک تاجر کے شریک و رفیق تجارت تھے اور اپنی ایمانداری اور دیانت کے سبب الامین کہلاتے تھے[۱۹]۔ ابن سعد اور بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مکی دور حیات میں حضرات عثمان بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوف کے درمیان تجارتی تعلقات تھے اور حضرت عثمان حضرت عبدالرحمٰن کو "مضاربت" پر مال دیتے تھے اور اس تجارتی شراکت میں دونوں برابر کے منافع کے سہیم ہوتے تھے[۲۰]۔ مکہ کے اس اقتصادی پس منظر میں یہ قیاس کرنا بالکل صحیح ہے کہ وہ کافی دولتمند تاجر تھے اور یہ بھی قیاس حق بجانب معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجرت کے وقت کافی مال اپنے ساتھ لائے ہوں گے حالانکہ ہمارے مآخذ میں اس کی صراحت نہیں ملتی۔ جس طرح کہ ان کی ناداری یا مفلسی کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ ہجرت کے بعد

---

۱۸ ابن سعد، سوم ص ۱۳۹ ۱۹ اصابہ ذکر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نیز ملاحظہ ہو: مارگولیتھ ص ۱۰۰-۹۹ ۲۰ ابن سعد، سوم ص ۶۰، بلاذری، انساب ص ۲ نیز ملاحظہ ہو: اصابہ، اول ص ۱۰۳۶ اور مارگولیتھ ص ۹۶۔

انھوں نے مدینہ کے مالدار ترین شخص حضرت سعد بن ربیع کے گھر قیام کیا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو رشتۂ اخوت میں باندھ دیا تھا۔[21] بعد کے سوانح نگاروں نے وہ مشہور عام واقعہ بیان کیا ہے جس سے حضرت عبدالرحمٰن کی مفلسی کا تاثر ملتا ہے۔ حضرت سعد بن ربیع نے حضرت عبدالرحمٰن کو اپنے گھر لے جاکر اپنے تمام مال و اسباب کا جائزہ دے کر نہ صرف اس کا نصف پیش کیا بلکہ اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے کر اس کو ان کے نکاح میں دینے کی بھی پیشکش کی لیکن انھوں نے کچھ نہ قبول کیا بلکہ شکریہ ادا کر کے شہر کے بازار کا راستہ پوچھا۔ انھوں نے بنو قینقاع کا بازار جاکر دکھادیا۔ حضرت عبدالرحمٰن نے کچھ گھی اور کچھ پنیر خریدا اور شام تک خرید و فروخت میں لگے رہے اور جب گھر لوٹے تو گھی اور پنیر کا ایک ڈبہ نفع میں کما لیا تھا۔ اور جلد ہی وہ مالدار بن گئے۔[22] اس

---

[21] ابن سعد، سوم ص۱۲۵-۶ [22] ابن سعد، سوم ص۱۲۵-۶ ۔ اصابہ مذکورہ بالا نیز دیکھو: مارگولیتھ ص۹۹-۱۰۰، شبلی، اول ص۲۸۶-۸۷۔

اگرچہ یہ واقعہ بہت مشہور اور مقبول عام و خاص ہے اور شبلی نعمانی نے صحیح بخاری کی دو مستند ترین روایات کی بنیاد پر بیان کیا ہے اس لئے روایتی معیار پر وہ کھرا اترتا معلوم ہوتا ہے لیکن درایتی لحاظ سے کچھ سوالات ذہن میں اٹھتے ہیں - اول یہ کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مواخات کے رشتہ سے پہلے حضرت سعد بن ربیع کے مہمان بن چکے تھے اور ہجرت اور مواخاۃ کے درمیان خاصہ وقفہ تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ پہلی بار حضرت سعد کے گھر نہیں گئے تھے لہٰذا ان سے واقف تھے اور حضرت سعد کی یہ پیشکش مواخاۃ کے بعد ہوئی تھی۔ لہٰذا مواخاۃ سے پہلے وہ مہاجر صحابی کیا کرتے رہے تھے؟ دوم یہ کہ اتنے دنوں کے قیام میں وہ مدینہ کے کوچہ و بازار سے واقف ہو چکے تھے اگر پہلے نہ تھے اگرچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جیسے ماہر تاجر سے بالخصوص اور شامی تجارت سے متعلق کسی بھی مکی تاجر سے بالعموم یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ مدینہ کے بازاروں اور ان کے راستوں سے واقف نہ رہا ہوگا۔ لہٰذا بازار کا راستہ وہ بھی سوق بنی قینقاع

پورے واقعہ میں کہیں مذکور نہیں ہے کہ انھوں نے یہ کاروبار بلا مال لگائے محض اپنے کاروباری صلاحیت کی بنا پر کیا تھا۔ یہ واقعہ اصل میں ان کی مدنی تجارت کا نقطۂ آغاز تھا نہ کہ بوقت ہجرتِ مدینہ ان کے مفلس وخالی ہاتھ ہونے کا ثبوت۔

مذکورہ بالا تمام شواہد سے زیادہ اہم اور دلچسپ ابن اسحاق کا وہ بیان ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض بڑے گھرانے اپنے تمام افراد وارکین کے ساتھ مدینہ پہونچے تھے یہی نہیں بلکہ وہ اپنی تمام جائداد منقولہ۔ نقد، اسباب، مویشی۔ ساتھ لائے تھے۔ ابن اسحاق

کا دریافت کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور تیسرے یہ کہ حضرت سعد بن ربیع کو اپنی مبینہ دو بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق دے کر ان کی حضرت عبدالرحمٰن سے شادی کی پیش کش کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ کیا مطلقہ زوجہ کو مجبور کیا جا سکتا تھا یا کیا اس کی ضمانت تھی کہ وہ صحابی مہاجر سے شادی کر ہی لیتیں۔ پھر شادی کے لئے کسی اور دختر مدینہ کو پیش کیا جا سکتا تھا؟ ان سوالات سے یہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ انصار مدینہ کی مہمان نوازی اور تالیف قلب میں خاص کر اس واقعہ میں غلو سے کام لیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو: بخاری، الصحیح، "باب اخا النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المهاجرین والانصار"۔ جنھوں نے یہ روایت دو سندوں پر بیان کی ہے۔ ایک اسمٰعیل بن عبداللہ کی روایت ابراہیم بن سعد سے اور ان کی اپنے والد اور دادا سے۔ دوسری اسمٰعیل بن جعفر کی حُمید سے اور ان کی حضرت انس سے۔ دوسری روایت میں بازار کا راستہ بتانے والا فقرہ نہیں ہے۔ ابن حجر، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، مصر ۱۹۳۹ء، جلد دوم ص ۲۵-۲۴، نے بخاری کی روایت کا راوی اول خود حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو قرار دیا ہے اور روایت انس کو صحیحین کا بتایا ہے نیز دیکھئے: ابن سعد، سوم ص ۲۴-۵۲۲، جن کے مطابق حضرت سعد نے بظاہر جنگ احد میں اپنی شہادت کے بعد ایک بیوی چھوڑی تھی نیز نسب میں بھی ایک ہی بیوی، عمرۃ بنت حزم، کا ذکر ملتا ہے۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب، مرتبہ علی محمد بجادی، قاہرہ (غیر مورخہ) جلد دوم ص ۹۱-۵۸۹، نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے جب کہ ابن اثیر نے اسد الغابہ، تہران ۱۳۷۷ھ جلد دوم ص ۲۷۸ پر مختصراً ذکر کیا ہے۔

سے نے ایسے تین گھرانوں کا ذکر کیا ہے جن کے نام ہیں: بنو مظعون/ بنو جحش، بنو غنم بن دو دان/ اسد خزیمہ اور بنو بکیر/ سعد بن لیث۔ ان تینوں گھرانوں کے تمام افراد۔ مرد، عورت، بچے۔ مدینہ ہجرت کر آئے تھے اور اپنی تمام جائداد ساتھ لائے تھے اور مکہ میں اپنے گھروں کو خالی تالا لگا آئے تھے یا یوں ہی کھلا چھوڑ آئے تھے۔[۲۳] ابن اسحاق کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محض یہی تین گھرانے نہ تھے جو اپنا سارا مال و اسباب مدینہ لے آئے تھے بلکہ ان کے علاوہ کچھ دوسرے خاندان اور ان سے زیادہ افراد اپنی دولت و جائداد منقولہ اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ سیرت نگار مذکور کا زور دراصل اس امر پر ہے کہ پورے پورے گھرانے اپنے تمام افراد و اراکین اور اپنی تمام جائدادوں یا اموال کے ساتھ سوائے ان تینوں کے مکہ سے باجماعت ہجرت نہیں کر سکے تھے۔ ورنہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں مہاجرین نے مسلسل ہجرت کی تھی۔ ابن اسحاق نے متعدد جگہ یہ حقیقت اجاگر کی ہے کہ مکہ کے مہاجروں نے جوق در جوق گروہ در گروہ یا باجماعت ہجرت کی تھی۔ چنانچہ ہجرت مدینہ کے لئے رسول کریم کے اذن عام، بنو غنم بن دودان، بنو بکیر، بنو مظعون اور بنو عدی وغیرہ کی ہجرت کے ضمن میں اس حقیقت کا مکرر سہ کرر اظہار کیا ہے۔[۲۴] ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ہجرت مدینہ بنیادی طور پر اجتماعی اور باجماعت تھی یعنی مہاجرین مکہ نے نقل وطن گروہوں میں کیا تھا جو ایک فطری اور منطقی عمل تھا کہ جماعت کے ساتھ وطن کے چھوڑنے کا غم دور اور سفر کی صعوبتوں کو ہلکا کیا جا سکتا تھا۔ عام تاثر یہ ہے کہ مکی مسلمانوں نے قریش کی روک ٹوک کے سبب چھپ کر ہجرت کی تھی اس لئے وہ اکا دکا آئے تھے اور اپنا مال و دولت

---

[۲۳] ابن اسحاق، ص ۲۲۳۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنو غنم بن دودان اپنے گھروں کو تالا لگائے بغیر چلے آئے تھے یا ان کے کواڑ کسی وجہ سے ان کے بعد کھل گئے تھے جیسا کہ سیرت نگار کے دوسرے بیان ص ۲۱۴-۲۱۵ سے معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ باقی دوسرے گھرانے اپنے گھروں کو مقفل کر آئے تھے۔

[۲۴] ابن اسحاق ص ۲۱۳، ص ۲۱۵، ص ۲۲۶-۲۲۷ اور ص ۲۳۰ وغیرہ

نہیں لاسکے تھے لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیشتر مسلمانوں نے باجماعت ہجرت کی تھی اور اپنے کل یا بیشتر ساز و سامان کے ساتھ۔

اگرچہ ابن اسحاق یا کسی اور مورخ و سیرت نگار نے بنو غنم بن دودان، بنو مظعون اور بنو بکیر کی دولت کا ذکر نہیں کیا ہے اور اس بنا پر اس کا صحیح تخمینہ لگانا ناممکن تاہم ان خاندانوں کے افراد کی کثیر یا معتدبہ تعداد سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کافی سرمایہ اپنے ساتھ لائے ہوں گے۔ ابن اسحاق نے بنو غنم کے بیس مردوں اور نو عورتوں کے نام مہاجرین میں گنائے ہیں[25] لیکن ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد کم از کم چالیس تھی[26] لیکن یہ واضح رہے کہ یہ تعداد کل افراد کی نہ تھی بلکہ ان کے بالغوں کی تھی۔ مزید یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئیے کہ بنو غنم بن دودان قریش مکہ کے دولتمند ترین خاندان بنو امیہ کے حلیف، مصاہرت کے رشتہ دار اور تجارت کے ساتھی تھے۔[27] اسی طرح بنو مظعون کا خاندان بھی ہجرت سے قبل قریش مکہ کے ایک ممتاز خاندان بنو جمح کا کافی دولتمند تجارت پیشہ گھرانا تھا جس میں کافی بالغ مرد و عورت شامل تھے۔ ابن سعد نے حضرت عثمان بن مظعون کے چار جوان بھائیوں اور ایک فرزند کا ذکر بدری صحابہ میں کیا ہے[28] اسی سے ان کی تعداد کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق کے ساتھ ان کے خاندان کے متعدد افراد کے علاوہ ان کے بھائی زید، سراقہ بن معتمر کے دو فرزند، حضرت عمر کے داماد خُنَیس بن حذافہ سہمی، ان کے تین حلیف بنو تمیم اور بنو عجل بن لجیم سے، بُکیر کے چار فرزند اور موخر الذکر کے بنو سعد بن لیث کے حلیف بھی آئے تھے۔[29] ظاہر ہے کہ یہ حضرت عیاش بن ربیعہ مخزومی کے علاوہ تھے۔ ایک موٹے سے اندازہ کے مطابق فاروقی قافلۂ مہاجرین

---

[25] ابن اسحاق ص ۲۱۵ [26] ابن سعد، سوم ص ۸۹، ۹۰؛ ابن حزم اندلسی، جمہرۃ انساب العرب، قاہرہ ۱۹۴۸ء، ص ۱۹۹ - ۲۰۰ [27] ایضاً [28] ابن سعد، سوم ص ۳۹۶

[29] ابن اسحاق ص ۲۱۸۔

میں کل افراد کی تعداد کسی طور سے چالیس پچاس سے کم نہ رہی ہوگی۔ اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ جب حضرت عمر اپنی کل دولت ساتھ لائے تھے تو ان کے اہل خاندان اور ان کے حلفاء و موالی بھی اپنا سارا مال و اسباب مدینہ لانے میں کامیاب رہے ہوں گے۔ حقائق و قرائن سے ایسا واضح ہوتا ہے کہ مہاجرین کے بڑے قافلوں سے غالباً قریش مکہ نے تعرض کرنے کی ہمت نہیں کی تھی یا جان بوجھ کر مصلحتاً نظر انداز کر دیا تھا اور اس طرح ان مہاجرین کو اپنا سارا مال و اسباب لانے کا موقعہ مل گیا ورنہ بنو مظعون، بنو بکیر، بنو غنم اور عدی کے علاوہ متعدد دوسرے خاندان، گھرانے یا قافلے یوں اپنا کل مال و دولت ساتھ مدینہ نہ لا سکے ہوتے۔

اسی ضمن میں ابن سعد کی ایک روایت بیان کر دی جائے جس سے مزید تائید ہوتی ہے کہ سب ہی مہاجرین مکہ بے سر و سامان مدینہ نہیں پہونچے تھے۔ حضرات عمر اور عبداللہ فرزندان ابی عاتکہ اور نافع کی روایت ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرتِ مدینہ کی عام اجازت دے دی تو مکہ سے مسلمان باجماعت (اُرْسَالاً) نکلنے لگے۔ وہ کسی جگہ جمع ہو جاتے اور قافلے بنا کر سفر پر چل پڑتے۔ راویوں کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت نافع مولی ابن عمر سے پوچھا کہ مہاجرین نے پیدل سفر کیا یا سواری پر؟ حضرت نافع نے جواب دیا: دونوں طرح۔ صاحبان استطاعت سواری پر آگے پیچھے یا باری باری بیٹھ کر جاتے تھے اور بے وسیلہ پاپیادہ [۳۰]۔ ظاہر ہے کہ یہ صاحبان استطاعت (اهل القوة) اپنے ساتھ اپنی دولت اور اپنا ساز و سامان بھی لے گئے ہوں گے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین مکہ کی ناداری اور مفلسی کی شہرتِ عام کا ایک سبب بعض واقعات پر ضرورت سے زیادہ زور دینے اور ان کو عمومی رنگ دینے کا جذبہ بھی رہا ہے۔ مثلاً حضرت صہیب بن سنان، جن کو غلطی سے رومی سمجھا جانے لگا ہے حالانکہ وہ عرب

---

[۳۰] ابن سعد، سوم صـ۲۷۱ نے یہ بیان حضرت عمر کی ہجرت کے ضمن میں دیا ہے۔

تھے، کا واقعہ ہے۔ ابن ہشام اور ابن سعد وغیرہ کی روایت ہے کہ جب حضرت صہیب عازم ہجرت ہوئے تو قریش نے ان کی روک ٹوک کی کہ "تم ہمارے پاس بے نوا فقیر و مسکین آئے تھے اور ہمارے درمیان رہ کر دولت اکٹھا کرلی اور اب تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ سارا مال لے جاسکو گے۔ خدا کی قسم! یہ نہیں ہوگا۔" حضرت صہیب ہجرت کے اتنے مشتاق تھے کہ انھوں نے اپنی ساری دولت قریش کو دے دی اور ہجرت کر کے مدینہ پہونچ گئے[۳۱]۔ حضرت صہیب کے واقعہ کے بارے میں مذکور متعدد روایتوں سے بالعموم اور ابن ہشام کی روایت سے بالخصوص یہ واضح ہوتا ہے کہ قریشِ مکہ کے اس روک ٹوک کرنے والی جماعت کو حضرت صہیب کی اس دولت کو ساتھ لے جانے پر اعتراض و تکلیف تھی جو انھوں نے اہالیانِ مکہ کے درمیان رہ کر کمائی تھی۔ ان کو صحابی موصوف کے ہجرت کرنے پر اتنا اعتراض نہ تھا اور بلا مال و دولت ساتھ لئے نقلِ وطن کرنے پر بالکل اعتراض نہ تھا بلکہ انھوں نے یک گونہ مسرت و خوشی کا اظہار کیا کہ یوں ایک خطیر دولت مفت ہاتھ آئی تھی۔ اسی سے یہ قیاس بھی کیا جاسکتا ہے کہ اگر حضرت صہیب چھپ کر ہجرت کرتے تو شائد اپنی ساری دولت نکال لاتے لیکن ان کو اپنی ہجرت اور اپنے پیغمبر سے ملاقات اتنی محبوب و عزیز تھی کہ دولت ان کے سامنے ہاتھ کا میل تھی۔ حیرت کی بات ہے کہ اس جیسے اکادکا واقعات سے یہ عمومی نتیجہ نکال لیا گیا کہ تمام مہاجرینِ مکہ عالمِ بے سروسامانی میں مدینہ پہونچے تھے[۳۲]۔

اس تصورِ خام کے بڑے دوررس نتائج نکلے۔ مسلم مورخین نے تو انصارِ مدینہ کی بے مثل مہمان نوازی اور فیاضی پر مہاجرین کے مکمل انحصار کا کلیہ نکالا مگر مستشرقینِ مغرب نے مہاجرین کی کثرتِ تعداد کی اقتصادی ابتری کو مدینہ کی غیر اطمینان بخش معیشت پر

---

۳۱ ابن اسحاق ص ۲۲۹، (ابن ہشام کی روایت ہے) نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم ص ۸-۲۲۷

۳۲ جیسے شبلی، دوم ص ۲۱۴ اور سلیمان منصور پوری اول ص ۸۷ نے نتیجہ نکالا ہے۔

حد سے زیادہ بوجھ اور اس کے نتیجہ میں غارتگری کے مقصد سے غزوات و سرایا کا ایک طویل سلسلہ شروع کرنے کا مکروہ الزام مسلمانوں کے سر تھوپ دیا۔ انصار مدینہ کی مہمان نوازی، نصرت اسلام اور دامے، درمے، قدمے تعاون سے کسی منصف مزاج کو انکار نہیں۔ لیکن کیا یہ حقیقت تھی کہ مہاجرین نے اپنی تمام کفالت کا بوجھ اپنے انصاری بھائیوں پر ڈال دیا تھا؟ ماخذ کی تصریحات سے یہ بات سامنے آتی ہے اور اس کا اعتراف بھی ہمارے جدید مورخین و سیرت نگار کرتے ہیں کہ مہاجرین نے مدینہ میں اپنی آمد کے معاً بعد ہی تجارت یا زراعت کا کام سنبھال لیا تھا اور اپنی روزی روٹی کمانے لگے تھے۔[۲۳] ظاہر ہے کہ مہاجرین کی کاروباری لیاقت اور تجارتی مہارت کے علاوہ ان کی تجارت کی از سر نو داغ بیل ڈالنے کے لئے سب سے زیادہ ضرورت سرمائے کی تھی۔ سرمائے کی فراہمی کے تین ممکنہ ذرائع تھے۔ ایک یہ کہ انصار سے مالی امداد ملتی۔ دوم یہ کہ مدینہ کے مالدار یہودی مہاجنوں سے سودی قرض لیا جاتا۔ سوم یہ کہ مہاجرین اپنی نجی دولت پر تکیہ کرتے۔ اس ضمن میں ہمارے تمام ماخذ بالاتفاق تیسرے ذریعہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا شواہد و دلائل کی روشنی میں جو صورت حال ابھرتی ہے وہ یہ ہے کہ مہاجرین مکہ کے تین طبقات تھے۔ پہلا طبقہ کمزور اور سیاسی و سماجی طور پر بے اساس لوگوں جیسے حضرت صہیب بن سنان وغیرہ کا تھا۔ اس طبقہ کے مہاجرین اپنے ساتھ کچھ نہیں لا سکے تھے اسی میں اقتصادی طور پر کمزور و نادار مسلمانوں کو شامل کر لینا چاہئے کہ وہ مکہ میں مال و دولت سے تہی تھے اور تہی دامن ہی مدینہ پہونچے۔ دوسرا طبقہ مہاجرین کا ان مکیوں پر مشتمل تھا جو خوف و ہراس کے عالم میں چھپ چھپا کر وطن سے نکلے تھے اس لئے وہ اپنے ساتھ اپنا "سب کچھ" نہیں لا سکے البتہ وہ اپنے ساتھ نقد اور زیور ضرور لائے تھے۔ اور تیسرا طبقہ جو بنیادی طور پر قریشی مہاجرین کی غالب اکثریت پر مبنی تھا اور جو مکہ میں بھی کافی متمول تھا وہ اپنی تمام جائداد منقولہ، نقد، زیور، مال و اسباب، مویشی وغیرہ سب کچھ ساتھ لے کر مدینہ پہونچا تھا اور اس طبقہ نے مدنی معیشت کو کمزور کرنے کی بجائے استحکام بخشا تھا اور اسے نئی جہتیں عطا کی تھیں۔

---

۲۳ مثلاً ملاحظہ ہو شبلی نعمانی، اول صفحہ ۲۸۶، ۲۸۷ اور مارگولیتھ صفحہ ۲۹۶-۲۹۱ وغیرہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کیا یہ نام آپ سے پہلے رائج نہیں تھا؟

محمد صلاح الدین عمری، ایم اے

اس نام کی عظمت کا کیا کہنا، اس مقدس نام (محمد) کی اہمیت وعظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپؐ کی بعثت سے قبل اس روئے زمین پر کسی کا بھی نام محمد نہیں رکھا گیا۔ آپؐ کا یہ نام تو خدا نے آپ ہی کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ چنانچہ دنیا میں محمد نام کی سب سے پہلی شخصیت آپؐ ہی کی ہے۔

اس طرح کے جملے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت میں ایک مخصوص ذہن وفکر کے لوگوں سے اکثر سننے میں آتے رہتے ہیں اور ہمارے بعض فاضل مقررین بھی اسے آپ کی ایک امتیازی خصوصیت کی حیثیت سے پیش کرنے میں تامل نہیں کرتے۔

اس مقدس نام کی عظمت واہمیت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس کو یہ فضیلت محض اس وجہ سے حاصل ہے کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبوب ترین ہستی، محسن انسانیت، پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ آئیے یہ دیکھیں کہ کیا یہ مقدس نام پہلی بار آپ ہی کا رکھا گیا یا آپ سے پہلے بھی اس نام کے افراد پائے گئے ہیں؟

قرآن مجید میں آپ کا نام احمد اور محمد بتایا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئی کا تذکرہ ان الفاظ میں آتا ہے:۔

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ — اور یاد کرو عیسیٰ بن مریم کی وہ بات

يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ	جو اس نے کہی تھی کہ "اے بنی اسرائیل!
اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا	میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں
لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ	تصدیق کرنے والا ہوں اس توراۃ کی جو مجھ
وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ	سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے اور بشارت
مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ	دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے
فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا	بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ مگر جب
هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ٥	وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا
(الصف: ۶)	تو انھوں نے کہا یہ تو صریح دھوکا ہے۔

اس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر آپ کی آمد کی خوشخبری سنائی تھی اس میں آپ کا نام احمد بتایا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ محمد میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا	اور جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے
الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا	نیک عمل کئے اور اس چیز کو مان لیا جو
نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ	محمد پر نازل ہوئی ہے۔ اور ہے وہ سراسر
مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ	حق ان کے رب کی جانب سے۔ اللہ نے
سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ	ان کی برائیاں ان سے دور کردیں اور
(محمد: ۲)	ان کا حال درست کردیا۔

احادیث صحیحہ سے بھی ثابت ہے کہ محمد کے ساتھ آپ کا نام احمد بھی تھا۔ مسلم اور ابوداؤد میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انا محمد وانا احمد والحاشر" (میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں حاشر ہوں)

مستند روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ کا نام محمد، آپ کے دادا عبدالمطلب نے ساتویں دن عقیقہ کی تقریب کے موقع پر رکھا تھا۔ اس موقع پر موجود حاضرین نے جب

سوال کیا کہ آپ نے اس بچہ کا کیا نام رکھا ہے؟ تو عبد المطلب نے جواب دیا کہ: محمد، انھوں نے پوچھا کہ آپ نے اپنے آباء واجداد میں مروجہ نام کیوں نہیں رکھے تو عبد المطلب نے کہا میں چاہتا ہوں کہ "اللہ اس کی تعریف آسمان میں اور اللہ کی مخلوق اس کی تعریف زمین میں کرے"[1]

آپ سے محبت وعقیدت ہی کا کرشمہ تو ہے کہ زمانۂ نبوت سے لے کر آج تک امت کے بے شمار بچوں کے نام احمد اور محمد رکھے گئے۔ خود آپؐ نے صحابہ کے بچوں کے نام محمد رکھے اور اس کی ترغیب دی۔

الاصابہ میں محمد بن انس بن فضالہ کے تذکرہ میں بخاری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ محمد بن انس کو مدینہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آپؐ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے برکت کی دعا فرمائی اور فرمایا "سموہ باسمی ولا تکنوا بکنیتی" (اس کا نام میرے نام پر رکھو اور (لیکن) میری کنیت مت رکھو)[2]

اسی طرح الاصابہ میں محمد بن ابی بکر، محمد بن جعفر، محمد بن طلحہ، محمد بن عمرو بن حزم، محمد بن حاطب اور محمد بن حطاب کے لئے الاغانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان سب کا نام آپؐ نے محمد رکھا[3]

محمد بن طلحہ کے سلسلہ میں صاحب الاصابہ نے ابراہیم بن محمد کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جب حمنہ بنت جحش کے یہاں محمد بن طلحہ کی پیدائش ہوئی تو وہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام محمد اور کنیت ابو سلیمان رکھی۔ ابراہیم بن محمد کی ہی ایک اور روایت محمد بن طلحہ کے والد سے نقل کی ہے کہ وہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے تو آپؐ نے ان کا نام محمد رکھا اور فرمایا "وہ ابو سلیمان ہے، میں اس کے لئے اپنا نام اور کنیت، دونوں جمع نہیں کروں گا"[4] محمد بن

---

[1] السیرۃ النبوۃ ج ۱۔ ابن ہشام، حیاۃ سید العرب (ج ۱، ص ۵۶) حسین عبد اللہ، فقہ السیرۃ۔ محمد الغزالی (ص ۳۷-۳۶) [2] الاصابہ فی تمیز الصحابہ (۳، ۳۵۰) ابن حجر عسقلانی [3] ایضاً (۳، ۳۵۵)
[4] الاصابہ (۳، ۳۵۷)

مخلد کا نام بھی آپ ہی نے محمد رکھا۔[۵]

عرب کا پورا لٹریچر اس بات سے خالی ہے کہ حضور سے پہلے کسی کا نام احمد رکھا گیا ہو[۶] لیکن مستند و معتبر مورخین میں تقریباً سب ہی نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ عہد جاہلیت میں عیسائی اور عربوں کی ایک جماعت نے اپنے بچوں کے نام محمدؐ اس امید پر رکھے تھے کہ ان کا بیٹا نبی مبعوث ہو۔ کیوں کہ انھوں نے راہبوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی پیشین گوئی سن رکھی تھی۔ آئیے! کسی قدر تفصیل سے اس کا جائزہ لیں۔

حسین عبداللہ نے اپنی کتاب 'حیاۃ سید العرب' میں عسقلانی کی فتح الباری اور الاصابہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عہد جاہلیت میں سولہ[۱۶] افراد نے اپنے بچوں کے نام 'محمد' اس امید پر رکھے تھے کہ نبی مبعوث انھیں کا بیٹا ہو۔ کیوں کہ عربوں نے اپنے شام کے سفروں میں کاہنوں اور راہبوں سے سن رکھا تھا کہ اس زمانہ میں ایک نبی مبعوث ہوگا جس کا نام محمد ہوگا۔[۷] اس کے بعد مولف نے ان ناموں کی تفصیل بھی دی ہے۔

اس سلسلہ میں خلیفہ بن عبد المنقری کی ایک روایت کو اکثر مورخین نے نقل کیا ہے کہ:

"میں نے محمد بن عدی بن ربیعہ بن سور التمیمی سے سوال کیا کہ تمہارے والد نے تمہارا نام محمدؐ کیسے رکھا؟ محمد بن عدی نے جواب دیا کہ یہی سوال میں نے اپنے والد سے کیا تھا جس کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ: بنی تمیم کے ہم چار افراد (میں، سفیان بن مجاشع بن دارم تمیمی، یزید بن عمرو بن ربیعہ تمیمی اور اسامہ بن مالک بن جندب (یا ابن حبیب) بن عنبر تمیمی) ابن جفنہ غسانی سے ملاقات کرنے کی غرض سے نکلے۔ شام پہونچ کر ہم ایک تالاب کے قریب جہاں کچھ درخت اگے ہوئے تھے، ٹھہر گئے۔ وہیں قریب ہی ایک گرجا گھر تھا جس میں پادری بھی موجود تھا۔ ہم آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ یہاں پر نہانے دھونے کے بعد کپڑے بدل کر

---

[۵] الاصابہ (۲، ۳۶۳) [۶] تفہیم القرآن (۵۔ ۴۶۱) مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔
[۷] حیات سید العرب (جلد ۱، ص۵۷) حسین عبداللہ۔

ابن جفنہ سے ملنے جلیں گے۔ ہماری گفتگو سن کر پادری ہمارے قریب آگیا اور بولا کہ "آپ لوگوں کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اس ملک کے باشندے نہیں ہیں۔ ہم نے جواب دیا کہ "ہم مضری قوم کے افراد ہیں۔ وہ بولا "مضر میں کس خاندان سے؟ ہم نے کہا: خاندان خندف کے۔ پادری پھر بولا کہ 'عنقریب ہی تمہارے یہاں ایک نبی مبعوث ہوگا، تم سب کو چاہئے کہ فوراً اس پر ایمان لے آؤ، اسی میں تم سب کی بہتری ہے۔ ہم نے پوچھا 'اس کا نام کیا ہوگا؟ وہ بولا: 'محمد'۔ چنانچہ جب ہم ابن جفنہ سے مل کر واپس آئے تو ہم میں سے ہر ایک کے یہاں بچہ پیدا ہوا، اور ہم سب نے اپنے اپنے بچوں کے نام 'محمد' رکھ لئے۔[۸]

اس روایت کے ساتھ ہی محمد بن عدی کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف صحبت حاصل ہے۔ چنانچہ ابن سعد، البغوی اور ابن السکن وغیرہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ لیکن محمد بن یزید اور محمد بن سفیان کے سلسلہ میں مورخین کا خیال ہے کہ وہ عہد نبوی تک زندہ نہیں رہے۔[۹]

اسی طرح بلاذری نے ان لوگوں میں، جن کا نام عہد جاہلیت میں 'محمد' رکھا گیا محمد بن عقبہ بن احیحہ، اور محمد بن احیحہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ صاحب اصابہ لکھتے ہیں کہ: میں نہیں کہہ سکتا کہ محمد بن عقبہ بن احیحہ اور محمد بن احیحہ ایک ہی شخص کا نام ہے یا محمد بن احیحہ، محمد بن عقبہ بن احیحہ کے چچا ہیں۔ اس ضمن میں انھوں نے ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ "احیحہ کے ایک بیٹے کا نام عقبہ تھا اور عقبہ کے بیٹے کا نام محمد تھا۔ انھیں محمد کی بیٹی مشہور صحابی فضالہ بن عبید کی والدہ ہیں۔ محمد کے بیٹے کا نام منذر تھا جو بئر معونہ میں شہید ہوا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ محمد بن عقبہ کا انتقال قبل اسلام ہی ہوگیا تھا۔[۱۰]

---

۸ الاصابہ (۳، ۶۰ - ۳۵۹) کتاب المحبر (ص ۱۳۰) ابو جعفر محمد بن حبیب البغدادی، الوفا باحوال المصطفیٰ (۱، ۷، ۴ - ۶۴) ابو الفرج عبدالرحمٰن ابن جوزی ۹ الاصابہ، (ج ۳، ص ۶۰ - ۳۵۹) ۱۰ الاصابہ (۳، ۲۶۰)

صاحب اسد الغابہ نے محمد بن احیحہ بن الجلاح کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ان کا شمار صحابہ میں ہوتا ہے۔ اسی کے تحت عبدان کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ "بلغنی ان اول من سمی محمدا محمد بن احیحۃ" (مجھ تک یہ بات پہونچی ہے کہ سب سے پہلے جن کا نام محمد رکھا گیا وہ محمد بن احیحہ ہیں) انھوں نے ان کو بھی محمد بن عدی کی حدیث میں شمار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ وہ (محمدون) جن کے والدین نے ان کے نام محمد اس امید پر رکھے تھے کہ ان کا بیٹا نبی مبعوث ہو، ان میں محمد بن سفیان بن مجاشع، محمد بن برا اخو بنی عتوارہ بن بنی لیث، محمد بن احیحہ اخو بنی حجبا، محمد بن حمران بن مالک الجعفی، محمد بن خزاعی بن علقمہ بن محارب بن مرۃ بن فالج، اور محمد بن عدی بن ربیعہ بن جشم بن سعد کے نام آتے ہیں۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ سفیان بن مجاشع، اور جن افراد کا تذکرہ اس حدیث میں ہے وہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت پہلے کے لوگ ہیں۔ ان میں احیحہ بن جلاح نے ام عبد المطلب سے شادی کی تھی، اس لئے یہ بات بعید از قیاس ہے کہ اس کے بیٹے محمد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہو۔[۱۱]

صاحب اسد الغابہ نے محمد بن عدی کی حدیث میں ابو نعیم اور ابو موسی کی روایت سے محمد بن عدی بن ربیعہ، محمد بن احیحہ، محمد بن حمران بن مالک الجعفی، اور محمد بن خزاعی بن علقمہ کو شمار کیا ہے۔ لیکن ان کی صحبت سے انکار کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ انھوں نے محمد بن عدی بن ربیعہ کی صحبت سے بھی انکار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بہت پہلے کے ہیں۔[۱۲]

ابن حجر نے الاصابہ میں محمد بن برا اخو بنی عتوارہ، محمد بن حرماز بن مالک، محمد الاسدی محمد عقیمی اور محمد بن مسلمۃ الانصاری کو بھی عہد جاہلیت کے محمدون میں شمار کیا ہے۔ محمد بن مسلمہ بن سلمہ بن خالد بن مجدعۃ کی بحث میں واقدی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کی پیدائش بعثت

---

[۱۱] اسد الغابہ (ج ۴، ص ۱۳۱) ابن الاثیر [۱۲] اسد الغابہ (ج ۴، ۲۶-۳۲۵)

سے بائیس سال قبل ہوئی۔ اوران کا شمار عہد جاہلیت میں محمد نام رکھے جانے والوں میں ہوتا ہے۔ کنیت ابوعبداللہ اور ابوسعید ہے۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث بھی روایت کی ہیں۔ ابن عبدالبر کے مطابق ان سے ان کے بیٹے محمود، ذؤیب، مسور بن مخزمہ، سہیل ابن ابی حثمہ، ابوبردہ بن ابی موسیٰ، عروہ، اعرج، اور قبیصہ بن حصن وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابن شاہین نے عبداللہ بن سلیمان ابن الاشعث کی ایک روایت بیان کی ہے کہ وہ بدر میں شریک ہوئے اوران کو شرف صحبت حاصل ہے ابن شاہین نے ہشام سے محمد بن مسلمہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تلوار دے کر فرمایا کہ اس (تلوار) سے مشرکین سے اس وقت تک جنگ کرتے رہو جب تک وہ آمادۂ جنگ رہیں۔ اور جب تم میری امت کو آپس میں جدال وقتال کرتے ہوئے دیکھو تو اس تلوار کو اتنی زور سے پٹخنا کہ وہ ٹوٹ جائے۔ اور (اس کے بعد) اپنے گھر میں بیٹھ رہنا یہاں تک کہ کوئی تم پر دست درازی کرے یا تم کو موت آجائے ابن سعد نے کہا ہے کہ محمد بن مسلمہ، سعد بن معاذ سے قبل مصعب بن عمیر کے ہاتھوں پر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور ابوعبیدہ کے درمیان مواخات بھی قائم کی تھی۔ وہ بدر اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے علاوہ غزوہ تبوک کے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ میں ٹھہرنے کی اجازت دے دی تھی۔ (اسی قسم کی روایت صاحب اسدالغابہ نے بھی روایت کی ہے) صاحب الاصابہ نے واقدی ہی کی روایت لکھی ہے کہ ان کا انتقال مدینہ میں ۷۷ سال کی عمر میں ۴۶ھ میں ہوا[13]۔ واقدی کی اس روایت اوران کی سن پیدائش کی روایت میں تضاد ہے۔ اسی طرح کی ایک اور روایت مدائنی اور جعفر بن محمود بن محمد بن مسلمہ سے منقول ہے کہ ان کی وفات ۴۳ھ میں ہوئی۔ لیکن ابن ابی داؤد اور یعقوب بن سفیان کے مطابق ان کو شام والوں نے گھر میں گھس کر قتل کیا تھا۔

---

[13] الاصابہ (۳، م ۶-۳۶۳)

حافظ محمد بن طاہر ابن القیسرانی نے اپنی کتاب 'کتاب الجمع بین ابی نصر الکلاباذی وابی بکر الاصبہانی فی رجال البخاری ومسلم' میں، محمد بن مسلمہ انصاری کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے بدر میں شرکت کی اور بخاری نے عروہ بن زبیر سے مروی ان کی ایک حدیث کتاب الدیات میں لکھی ہے۔ اسی طرح مسلم نے مسور بن مخرمہ سے مروی ان کی حدیث کو کتاب الدیات میں نقل کیا ہے۔ ان کا انتقال جعفر بن محمود کے بیان کے مطابق صفر ۴۳ھ میں ہوا۔[۱۴]

ابوجعفر محمد بن حبیب بغدادی نے اپنی کتاب 'کتاب المحبر' میں قبل اسلام محمد ون کا ایک عنوان قائم کر کے، اس کے تحت، شام میں راہب سے ملاقات اور گفتگو کے واقعہ کے تذکرہ کے بعد 'محمد' نام رکھے جانے والوں میں محمد بن سفیان، محمد بن براد بن عتوارہ بن عامر، محمد بن خزاعی بن علقمہ (یہ واقعۂ فیل میں ابرہہ کے لشکر میں شامل تھے۔) محمد بن حمران بن مالک، محمد بن عقبہ بن احیحہ، محمد بن مسلمہ الانصاری اور محمد بن حرماز بن مالک کو شمار کیا ہے۔[۱۵]

اسی طرح امام ابوالفرج ابن جوزی نے اپنی کتاب 'الوفا باحوال المصطفیٰ' میں خلیفہ بن عبدۃ المنقری کی روایت میں محمد بن عدی، محمد بن سفیان بن مجاشع، محمد بن یزید بن عمرو اور محمد بن اسامہ بن مالک کا تذکرہ کیا ہے[۱۶] اور ساتھ ہی شرح مواہب کے حوالہ سے ان محمدوں کی تعداد بیس بتائی ہے (ج ۱، ص۱۰۵)

صلاح الدین الصفدی نے اپنی کتاب 'الوافی بالوفیات' میں لکھا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عیسائی اور عربوں کی ایک جماعت نے اپنے بیٹوں کے نام محمد اس لئے رکھے تھے کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیشین گوئی اس وقت کے علماء سے مل چکی تھی۔

---

[۱۴] کتاب الجمع بین ابی نصر الکلاباذی وابی بکر الاصبہانی فی رجال البخاری ومسلم (۲، ۴۴۳، ۴۴۲)
حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی المعروف بابن القیسرانی۔

[۱۵] کتاب المحبر ص ۱۳۰ ۔ ابوجعفر محمد بن حبیب البغدادی

[۱۶] الوفا باحوال المصطفیٰ (ج ۱، ص ۴۷۔۴۶) عبدالرحمٰن ابن جوزی

چنانچہ وہ اپنے بیٹوں کے نام اس امید پر محمد رکھتے کہ ان کا بیٹا ہی نبی ہو۔ ایسے لوگوں میں محمد بن سفیان بن مجاشع بن دارم التمیمی، محمد بن دُبر اخوبنی عنوارہ، محمد بن احیحہ، محمد بن خزاعی محمد بن حمران اور محمد بن مسلمہ الضاری کے نام آتے ہیں[۱۷]۔

ابوالحسن علی بن یوسف القفطی نے 'المحمدون من الشعراء' میں لکھا ہے کہ:

"اسم محمد قبل اسلام ہی سے اہمیت و مرتبہ کا حامل رہا ہے۔ چنانچہ ابن حبیب البغدادی (م ۲۴۵ ھ) نے تذکرہ کیا ہے کہ جن کا نام عہد جاہلیت میں محمد رکھا گیا۔ ان کی تعداد سات ہے۔ اور انھوں نے اپنی کتاب میں ان ناموں کا تذکرہ کیا ہے۔ اور اس کا باب اس طرح قائم کیا ہے۔" المسمون بمحمد لما کان یبلغھم انه یبعث فی العرب نبی یقال له محمد فجعل الله النبوة لمحمد صلی الله علیه وسلم" (وہ لوگ جن کے نام محمد اس وجہ سے رکھے گئے کہ ان کو اس بات کی خبر پہونچی تھی کہ عرب میں ایک نبی مبعوث ہوگا جس کا نام محمد ہوگا۔ لیکن۔ اللہ نے نبوت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقدر کر دیا[۱۸]۔

قفطی نے اپنی اس کتاب کے مقدمے میں ایک عنوان قائم کیا ہے:" الشاعر الجاھلی الذی سمی محمدا" (محمد نام کا جاہلی شاعر) اور پھر اس کے تحت لکھتے ہیں کہ عہد جاہلیت میں محمد نام کا سب سے پہلا شاعر محمد بن حُمران ابن ابی حمران الجعفی الشویعر ہے۔ اس میں اور جاہلی دور کے مشہور شاعر امرؤ القیس میں بحث و مباحثہ اور سخت کلامی بھی ہوئی تھی[۱۹]۔

آگے چل کر شعراء کے تذکرہ میں وہ محمد بن حمران بن ابی حمران الجعفی (ملقب بہ الشویعر)

---

۱۷ الوافی بالوفیات (ج ۱، ص ۵۵) صلاح الدین الصفدی

۱۸ مقدمہ، المحمدون من الشعراء (ج ۱، ص ۸ - ۷) ابوالحسن علی بن یوسف القفطی

۱۹ مقدمہ، المحمدون من الشعراء (ج ۱، ص ۱۲) ابوالحسن علی بن یوسف القفطی

کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کا لقب شویعر اس لئے پڑگیا کہ اس کے بارے میں امرء القیس نے اپنے ایک شعر میں یہی نام استعمال کیا ہے۔ (واضح ہو کہ شویعر کم درجہ کے شاعر کو کہتے ہیں) جس میں وہ کہتا ہے:

أبلغا عنی الشویعر ألی عمد عین، نکبتهن حزیما

(یعنی شویعر کو میری جانب سے یہ خبر پہنچادو کہ میں نے انتہائی خود اعتمادی اور ہوشیاری کے ساتھ ان سب کو راستے سے ہٹادیا ہے) اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ ان کا شمار عہد جاہلیت میں 'محمد' نام رکھے جانے والوں میں ہوتا ہے۔ اس کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

بلّغ بنی حمران انّنی عن عدا وتکم غنی
یکفیك نعی الأبلج الجبار ان نزل النضی
فی نحره منقضا کنبط النبع السّرمی[20]

(بنی حمران کو خبر دیدو کہ میں تمہاری عداوت سے بے پرواہوں، مجھ کو ایک ہی دست سرکش کی موت کی اطلاع کافی ہے۔ اگر تیر اس کے سینہ کو توڑتا ہوا اتر جائے جس طرح تیز بارش کے پانی سے بھرے ہوئے چشمہ میں ابال پیدا ہوتا ہے)

لیکن صاحب الاصابہ نے محمد بن حمران شویعر کے تذکرہ میں اس کے ان اشعار کو اس طرح لکھا ہے جو زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہیں۔

بلغ بنی حمران انی عن عدا وتکم غنی
فی بحرة منقبضا کتقبض السبع السرمی[21]

(بنی حمران کو خبر دیدو کہ میں تمہاری عداوت سے قطعی بے نیاز ہو کر اپنے شہر میں تیزی سے بھاگا چلا جارہا ہوں اور میری حالت اس درندہ کی سی ہے جو سنگباری (یا تیز بارش اور

---

[20] المحمدون من الشعراء (ج ۱، ص ۶۹ - ۲۶۸)

[21] الاصابہ (۳، ۸۵م)

گرج چمک) سے اپنے بدن کو سکیڑ لیتا ہے۔

ابن ماکولا نے اپنی کتاب 'الاکمال فی رفع الارتیاب' میں شویعر کا تذکرہ الشاجی کے عنوان کے تحت کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ شاجی کا نام محمد بن حمران بن ابی حمران بن معاویہ بن حارث بن مالک بن عوف بن سعد بن حریم بن جعفی بن الشاجی بن سعد ہے۔ وہ شاعر ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کا نام عہد جاہلیت میں محمد رکھا گیا۔ ان کا لقب شویعر ہے۔ لقب کی وجہ انھوں نے بھی وہی لکھی ہے [۲۲]

صاحب لسان العرب نے بھی جاہلیت کے محمدون کی تعداد سات بتاتے ہوئے ان میں محمد بن سفیان بن مجاشع تمیمی، محمد بن عتوارۃ اللیثی، محمد بن احیحہ بن الجلاح الاوسی، محمد بن حمران بن مالک الجعفی المعروف بالشویعر، محمد بن مسلمہ الانصاری اخو بنی حارثہ، محمد بن خزاعی بن علقمہ، اور محمد بن حرماز بن مالک التیمی العمری کے نام لئے ہیں۔ لسان العرب میں بھی محمد بن حمران کے لقب کی وجہ وہی لکھی ہے جو قفطی نے المحمدون من الشعراء میں لکھی ہے شویعر کے چند اشعار بھی نقل کئے گئے ہیں جو المحمدون میں منقول اشعار کے علاوہ ہیں۔

أتتنی أمور فکذبتها   وقد نمیت لی عاما فعاما
بأن امرأ القیس أمسی کئیبا   علی آلہ، ما یذوق الطعاما
لعمر ابیک الذی لا یھان   لقد کان عرضک منی حراما
وقالوا: ھجوت ولم اھجہ   وھل یجدن فیک ھاج مراما؟ [۲۳]

(میرے روبرو کچھ ایسے امور آئے جن کو میں نے جھٹلا دیا اور میرے ذہن میں سال بہ سال یہ بات مضبوط ہوتی گئی کہ امرأ القیس دل شکستہ، اور جزع و فزع میں پڑ گیا ہے، وہ کچھ کھاتا پیتا نہیں۔ تیرے اس باپ کی قسم! جس کو حقیر نہیں سمجھا جاتا، تیری آبرو کی پردہ دری

۲۲؎ الاکمال فی الارتیاب (ج ۵، ص۱۳۹)۔ ابن ماکولا

۲۳؎ لسان العرب (ج ۳، ص۱۵۸-۱۵۷)۔ ابن منظور

میرے لئے حرام ہے۔ اور لوگوں نے کہا: کہ تو نے ہجو کی جب کہ میں نے اس کی ہجو نہیں کی۔ اور کیا تیری ہجو کرنے والا مقصد کو پا سکتا ہے؟)

ان سب روایتوں کو سامنے رکھ کر ہم کو یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ زمانۂ جاہلیت میں تقریباً ایک درجن سے زائد ایسے افراد موجود تھے جن کا نام محمد تھا۔ ان روایتوں سے اس بات کا ثبوت بھی فراہم ہو جاتا ہے کہ ان میں سے بیشتر کے والدین نے اپنے بچوں کے نام محمد اس امید پر رکھے تھے کہ ان کا بیٹا ہی نبی مبعوث ہو۔ سبھی روایتوں پر غور کرنے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ان کے راویوں اور مورخین میں جو کچھ بھی اختلاف ہے وہ قطعاً اس بات پر نہیں ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ نام معروف تھا یا نہیں بلکہ ان میں اختلاف صرف اس بات پر ہے کہ ان محمدوں میں سے کس کس کو شرفِ صحبت حاصل ہے، اور کون کب مشرف بہ اسلام ہوا؟۔ ان روایتوں کی روشنی میں ہم زمانۂ جاہلیت کے محمدوں کی فہرست اس طرح مرتب کر سکتے ہیں۔ (۱) محمد بن عدی۔ (۲) محمد بن سفیان (۳) محمد بن یزید (۴) محمد بن اسامہ (۵) محمد بن عقبہ (۶) محمد بن احیحہ (۷) محمد بن برار (۸) محمد بن حمران شویعر (۹) محمد بن خزاعی (۱۰) محمد بن مسلمۃ انصاری (۱۱) محمد بن حرماز العمری (۱۲) محمد بن دبر (۱۳) محمد بن عتوارۃ (۱۴) محمد الاسدی (۱۵) محمد الفقیمی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ادارہ تحقیق وتصنیف کے اہم انگریزی کتابچے

(1) ISLAM—THE UNIVERSAL TRUTH 3/-
(2) ISLAM AND THE UNITY OF MAN KIND 3/-
By. Maulana Syed Jalaluddin Umri.
(3) PITFALLS ON THE PATH OF ISLAIC MOVEMENT 4/-
(4) HOW TO STUDY ISLAM 3/-
By. Maulana Sdruddin Islahi